© rasailojaraid.com

مکتوب (۱)

عبداللطیف الفت (اسلام آباد)

''سیّدی وَ اَبی''......ایک گراں قدر تحفہ

(تذکرہ حکیم ظہیر الدین ظہیر صہبائیؒ)

اسلام آباد

۲۳؍جنوری ۲۰۰۹ء

عزیزِ گرامی! السلام علیکم!

ہمشیر محترمہ سیّدہ امِّ کفیل کی تالیف ''سیّدی وَ اَبی'' عزیزم ذوالکفل کی عنایت سے باصرہ نواز ہوئی۔ کتاب اتنی دلآویز تھی کہ ایک ہی نشست میں ختم کرڈالی۔ ''اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ''

حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کے وابستگان کے لیے یہ کتاب بلاشبہ ایک گراں قدر تحفہ ہے۔

تاریخ کے ایک ادنیٰ طالب علم کی حیثیت سے میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں میں جذبۂ حریت بیدار کرنے میں شاہ صاحب کا حصہ اتنا وزنی ہے کہ ہماری تاریخی جدوجہد آزادی میں شاید ہی کوئی رہنما ان کی برابری کرسکے۔ ہندوستان کے دور دراز گوشوں، دور افتادہ دیہات اور ان مقامات تک جہاں مرکزی تو درکنار کسی علاقائی رہنما نے کبھی قدم نہ رکھا ہو، وہاں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے شعلۂ آواز نے دلوں میں آزادی کی جوت جگائی۔ ہماری قومی بے مہری اور قدر ناشناسی نے ان کی شخصیت کی تابنا کی کو گہنا دیا۔ اگر وہ کسی زندہ اور بیدار قوم میں پیدا ہوئے ہوتے تو وہ چوراہوں پر ان کے مجسمے نصب کرتی اور ان کے نام سے اداروں کو منسوب کرتی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا اندوہناک بات ہوگی کہ ملتان جیسے شہر میں جہاں وہ ابدی نیند سو رہے ہیں۔ کوئی کوچہ یا بازار ان کے نام سے نہیں پہچانا جاتا۔ جبکہ ہمارے اسلام آباد میں بڑی بڑی شاہراہیں اونچے درجے کے بیوروکریٹس تک کے ناموں سے منسوب کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ نصرت فتح علی کے نام پر بھی ایک سڑک موجود ہے۔

کتاب میں ایسی بہت سی شخصیات کا ذکر بھی آیا ہے جو سیاسی اور دینی محاذ پر حضرت شاہ صاحب کے ہم رکاب رہے۔ ان سب کی یاد بذاتِ خود بادِ بہاری کا روح پرور اور ایمان افروز جھونکا ہے۔ یہ مصرعہ بار بار زبان پر آتا ہے:

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ان ہی لوگوں میں ایک ایسی نابغۂ روزگار ہستی کا تذکرہ بھی ہے جو خانوادۂ بخاری سے بحیثیت معالج وابستہ رہے اور انھوں نے اماں جی مرحومہ و مغفورہ کی ٹی بی کا کامیاب علاج کیا۔ میری مراد حکیم ظہیر الدین ظہیر صہبائیؒ سے ہے۔ ان کا

(۱) بنام سید محمد کفیل بخاری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ذکر کتاب کے صفحہ۱۰۲ اور۱۰۳ پر ہے۔

حکیم صاحب مرحوم بلاشبہ بڑے کھلّے ڈھلّے کے انسان تھے۔امرتسر میں تو ان کی رہائش نوابوں کی طرح رہی ہوگی۔وہاں سے خانہ ویرانی کے بعد وہ ۱۹۴۷ء میں گجرات میں آ کر آباد ہوئے تو یہاں بھی انھیں ایک محل نما مکان الاٹ ہوا جس میں وہ پوری آب وتاب اور ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ رہتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے انھیں نہایت وجیہہ شخصیت عطا کی تھی۔دراز قامت، سرخ وسپید رنگت، بھرا بھرا جسم، نہایت رعب دار سفید مونچھیں۔ان کا گھر گجرات کی دو عظیم الشان رہائشی عمارتوں یعنی رام پیاری محل اور لالہ کیدار ناتھ محل کے ساتھ سرکلر روڈ پر تھا۔یہاں ہر شام حکیم صاحب دوستوں کی محفل جماتے تھے۔ایک بڑے سے تخت پوش پر ضخیم تکیہ سے ٹیک لگا کر حکیم صاحب براجمان ہوتے اور ایک دائرے کی شکل میں کرسیوں پر شہر کے باذوق، ادب نواز اور صاحبِ ذوق لوگ بیٹھے رہتے۔جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے پیچواں حقہ درمیان دھرا رہتا تھا اور دھوئیں کے مرغولوں میں حالاتِ حاضرہ، شعروادب اور علمی مسائل پر گفتگو جاری رہتی۔تا آنکہ قریب ہی واقع سید عنایت اللہ شاہ بخاری کی مسجد کالری دروازہ سے مغرب کی اذان کی آواز بلند ہوتی۔

ہمارا خاندان والد مرحوم کی ملازمت کے سلسلے میں گجرات میں مقیم تھا۔ہمارے ابا جی مرحوم سرکاری عہدہ دار (وہ بحیثیت تحصیلدار ریٹائر ہوئے تھے) ہونے کے باوجود امیر شریعت کے والہ وشیدا تھے۔(اس تعلق کے بارے میں ان شاء اللہ اپنی یادداشتیں پھر کبھی حسبِ توفیق قلم بند کروں گا)۔میری بڑی والدہ مرحومہ ذیابیطس کی پرانی مریضہ تھیں۔پاکستان بننے سے کئی برس پہلے سے ہمارے گھر میں انسولین متعارف ہوگئی تھی اور اس کا استعمال جاری رہتا تھا۔اس کے باوجود مرض میں کمی بیشی جاری رہتی۔

حکیم ظہیر صہبائی سے ہمارا پہلا تعارف والدہ کے علاج کے سلسلے میں ہوا۔مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حکیم صاحب کشتہ بارہ سنگھا طلب فرماتے تھے جو گجرات میں نہیں ملتا تھا۔چنانچہ میرے ماموں راولپنڈی دہلی دواخانہ سے لے کر گجرات بھیجتے تھے۔حکیم صاحب اس میں کوئی دوا اپنی طرف سے شامل کر کے استعمال کراتے اور والدہ صاحبہ کی جان انسولین کے ٹیکوں سے چھٹتی رہتی تھی۔بلکہ شوگر بھی کنٹرول میں رہتی تھی۔ڈاکٹروں کے برعکس حکیم صاحب نے مریضہ کی خوراک پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی تھی۔البتہ پرانے حکیموں کی روایت کے مطابق حکیم صاحب نے والد مرحوم سے تمام تر دوستی کے باوجود اس راز پر سے کبھی پردہ نہیں اٹھایا کہ وہ ازخود کونسی دوا کشتہ بارہ سنگھا میں شامل کرتے ہیں۔

اس تعلق کے بعد ابا جی مرحوم بھی حکیم صاحب کے مصاحبوں میں شامل ہوگئے۔ابا جی، دیوانِ حافظ اور مثنوی مولانا روم کے تو گویا حافظ ہی تھے۔اس لیے حکیم صاحب سے ان کی خوب بنی اور دونوں کے درمیان بہت گہرے تعلقات استوار ہوگئے۔کئی برس وہ حکیم صاحب کی شام کی محفل میں باقاعدہ شریک ہوتے رہے۔

حکیم صاحب گفتگو میں بھی بہت ”کھلے ڈھلے“ آدمی تھے۔اب یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ ان محفلوں میں کونسی ایسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بات ہوگئی جو والدہ مرحوم کو ناگوار گزری اور انھوں نے حکیم صاحب سے قطع تعلق کرلیا اور مہینوں تک شام کی محفل میں نہ گئے۔ یاد رہے کہ والدہ مرحومہ کی دوا اس دور میں بھی باقاعدہ ملتی رہی۔ ملازم کشتہ بارہ سنگھالے جاتا اور حکیم صاحب دوا تیار کر کے بھیج دیتے۔ اس علاحدگی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ عید آگئی۔ ہم لوگ عید کی نماز سے فارغ ہوکر گھر پہنچے تو تھوڑی دیر بعد دروازے پر دستک ہوئی۔ کھولا تو دیکھا کہ حکیم صاحب کا ملازم کھڑا ہے۔ اس نے ایک ملفوف میرے حوالے کیا جو میں نے اندر آکر ابا جی کی خدمت میں پیش کردیا۔ ابا جی نے اسے کھولا اور پڑھتے ہی اپنی چھڑی اٹھائی اور اٹھ کر چل دیئے۔ میں نے پوچھا کہاں جارہے ہیں تو انھوں نے موصولہ رقعہ میری طرف بڑھا دیا۔ کہنے لگے اب اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہ گئی۔ میں حکیم سے عید ملنے جارہا ہوں۔

جیسا کہ ہمشیر محترمہ نے لکھا ہے کہ حکیم صاحب بہت پائے کے شاعر بھی تھے۔ اس کا ایک ثبوت یہ رقعہ ہے جو خوش قسمتی سے میرے کاغذوں میں محفوظ رہ گیا۔ میں اس تبرک کی عکسی نقل بھیج رہا ہوں۔ ''ارمغانِ عید'' اور ''شکوہ''۔ یہ حکیم صاحب کی اپنی تحریر ہے۔ اس ''شکوہ'' کے پہلے شعر کی صحیح داد جبھی دی جاسکتی ہے جب قاری کو یہ معلوم ہو کہ ابا جی مرحوم کا اسم گرامی ''غلام رسول'' تھا۔

مخلص ظہیر صہبائی امرتسری

ارمغانِ عید

مستقبلم بہ ظلمت و حالم خراب حال
ایں خنجرِ غم است بمن یا ہلالِ عید
خیریست ہرچہ مے گزرد جائے شکر ہست
صہبایا مگر تو بہ یاراں بدہ نوید

ترجمہ:

''میرا مستقبل اندھیروں میں گھرا ہے اور حال کی حالت خراب ہے
یہ (چاند جو طلوع ہوا ہے) میرے لیے خنجرِ غم ہے یا ہلالِ عید ہے؟
جو بھی گزرے اسے اچھا جاننا چاہیے اور خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے
اے صہبائی (اس خستہ حالی کے باوجود) دوستوں کو عید کی تہنیت پیش کرو''

© rasailojaraid.com

شکوہ

مایۂ ناز ای غلامِ رسول　　نیز من بندۂ خدا ہستم
تو فرامُش مرا چرا کردی　　آنچہ من بودم ہُماں ہستم
پُر زبانم ز شکوہ ایست مگر　　من بپاسِ ادب دہاں بستم
سربلندی ترا مبارک شد　　ایں تنفّر بہ اینکہ من پستم
دامن از دستِ من سلامت گیر　　از مئے رنگِ بے خودی مستم
خوب کیفیت است صہبائی　　دل غنی دارم و تہی دستم

ترجمہ:

(۱) اے ''غلام رسول'' آپ مایۂ ناز ہیں　　لیکن (یاد رکھئے) میں بھی ''بندۂ خدا'' ہوں
(۲) آپ نے مجھے کیوں فراموش کر دیا ہے　　میں تو وہی ہوں جو پہلے تھا
(۳) (یوں تو) میری زبان شکووں سے پُر ہے　　لیکن (آپ کے) ادب کی وجہ سے خاموش ہوں
(۴) آپ کو اپنی سربلندی مبارک ہو　　کیا مجھ سے اس لیے متنفر ہیں کہ میں کمتر ہوں
(۵) اپنا دامن میرے ہاتھوں سے سلامت لے جائیں　　میں تو بے خودی کی شراب سے مست ہوں
(۶) صہبائی میری کیفیت بھی عجیب ہے　　دل تو غنی رکھتا ہوں لیکن ہاتھ (دولت سے) خالی ہیں

عکس تحریر حکیم ظہیر الدین ظہیر صہبائی

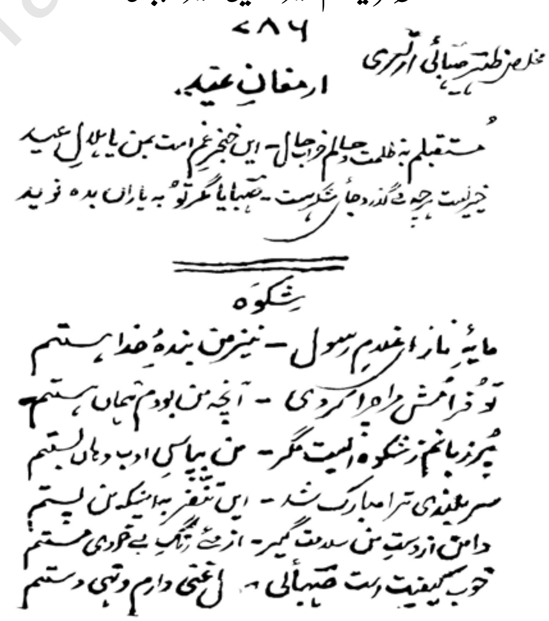
۷۸۶

ارمغانِ عید

شکوہ

مایۂ ناز ای غلامِ رسول ــ نیز من بندۂ خدا ہستم
تو فرامُش مرا چرا کردی ــ آنچہ من بودم ہماں ہستم
پُر زبانم ز شکوہ ایست مگر ــ من بپاسِ ادب دہاں بستم
سربلندی ترا مبارک شد ــ ایں تنفّر بہ اینکہ من پستم
دامن از دستِ من سلامت گیر ــ از مئے رنگِ بے خودی مستم
خوب کیفیت است صہبائی ــ دل غنی دارم و تہی دستم

© rasailojaraid.com